کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:17 Issue:6 June 2024

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

اِدارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام اور منصبِ امامت

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ (البقرۃ: ۱۲۴)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراھیم (علیہ السلام) کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے وہ ساری باتیں کیں، اللہ نے (ان سے) کہا: میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراھیم نے پوچھا: اور میری اولاد میں سے؟ اللہ نے فرمایا میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے۔

توضیح: اس آیت میں چند باتیں غور طلب ہیں پہلی بات کہ امتحان کا مقصد کیا تھا؟ قرآن کے ایک لفظ ربُّہ نے اس کو حل کر دیا جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس امتحان کے ممتحن خود اللہ جل شانہ ہیں، اور ان کے اسماء حسنیٰ میں سے اس جگہ لفظ رب لاکر شان ربوبیت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانا، مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا یہ ابتلاء و امتحان کسی جرم کی پاداش میں یا نامعلوم قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ شان تربیت و ربوبیت اس کا منشاء ہے ان آزمائشوں کے ذریعے اپنے خلیل (علیہ السلام) کی تربیت کر کے ان کے درجات و مقامات تک پہنچانا مقصود ہے۔

دوسرا سوال کہ امتحان کس عنوان سے لیا گیا؟ اس کے متعلق قرآن شریف میں تو صرف کلمات کا لفظ آیا ہے، اور اس لفظ کی تفسیر و تشریح میں حضرات صحابہ کرامؓ و تابعین کے مختلف اقوال ہیں، کسی نے احکامِ الٰہیہ میں سے دس چیزیں شمار کیں، کسی نے تیس بتلائیں، اور کسی نے اور کچھ کم و بیش دوسری چیزیں بتائیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کچھ اختلاف نہیں، وہ چیزیں سب کی سب ہی حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کے مضامین امتحان

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

تھے، ائمہ تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کی یہی رائے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک علمی موشگافیوں سے زیادہ قابل قدر اخلاق و کردار کی عملی ثابت قدمی ہے، اب ان مضامین امتحان میں سے چند اہم چیزیں پڑھیے، حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنی خلت کا خلعت خاص عطا فرمایا جائے، اس لئے ان کو سخت امتحانات سے گذارا گیا، پوری قوم کی قوم حتی کہ اپنا خاندان سب کے سب بت پرستی میں مبتلا تھے، سب کے عقائد و رسوم سے مختلف ایک دین حنیف ان کو عطا کیا گیا، اور اس کی تبلیغ اور قوم کو اس کی طرف دعوت دینے کا بارگراں آپ پر ڈالا گیا، آپ نے پیغمبرانہ جرأت و ہمت کے ساتھ بے خوف وخطر قوم کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف بلایا، بت پرستی کی شرمناک رسم کی خرابیاں مختلف عنوانات سے بیان کیں، عملی طور پر بتوں کے خلاف جہاد کیا، پوری قوم کی قوم آمادہ جنگ وجدال ہوگئی، بادشاہِ وقت نمرود اور اس کی قوم نے آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر زندہ جلا دینے کا فیصلہ کرلیا اللہ کے خلیل (علیہ السلام) نے اپنے مولا کی رضامندی کے لئے ان سب بلاؤں پر راضی ہوکر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دینے کے لئے پیش کر دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اللہ (علیہ السلام) کو امتحان میں کامیاب پایا تو آگ کو حکم دیا: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ (۲۱:۶۹) ترجمہ: ہم نے حکم دے دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور ذریعہ سلامتی بن جا۔ جس وقت یہ حکم خداوندی آتش نمرود کے متعلق آیا تو حکم کے الفاظ عام تھے کسی خاص آگ کی تعیین کر کے حکم دیا گیا تھا اس لئے پوری دنیا میں جہاں کہیں آگ موجود تھی اس حکم خداوندی کے آتے ہی اپنی اپنی جگہ ہر آگ ٹھنڈی ہوگئی اور نارِ نمرود بھی اس زمرہ کا فرد بن کر ٹھنڈی پڑ گئی۔

دوسرا امتحان یہ لیا گیا کہ اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر جائیں، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے رضائے خداوندی کی تڑپ میں قوم و وطن کو بھی خیر باد کہہ دیا، اور مع اہل وعیال ہجرت کر کے شام میں چلے آئے، اب قوم و وطن کو چھوڑ کر ملک شام میں قیام کیا ہی تھا کہ یہ حکم ملا کہ بی بی ہاجرہؓ اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو ساتھ لے کر یہاں سے بھی کوچ کریں۔ (ابن کثیر) جبرئیل امین آئے اور دونوں کو ساتھ لے کر چلے، راستہ میں جہاں کوئی سرسبز جگہ آتی تو حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) فرماتے کہ یہاں ٹھہرا دیا جائے، جبرئیل فرماتے کہ یہاں کا حکم نہیں منزل آگے ہے، جب وہ خشک پہاڑ اور گرم ریگستان آ گیا جہاں آگے کسی وقت بیت اللہ کی تعمیر اور شہر مکہ کی بستی بسانا مقدر تھا اس ریگستان میں آپ کو اُتار دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خلیل (علیہ السلام) اپنے پروردگار کی محبت میں مسرور مگن اسی چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ جنگل میں بی بی کو لے کر ٹھہر جاتے، لیکن یہ امتحان اسی پر ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ اب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو حکم ملتا ہے کہ بی بی

اور بچے کو یہیں چھوڑ دیں اور خود ملک شام کو واپس ہو جائیں، اللہ کا خلیل حکم پاتے ہی اس کی تعمیل میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور شام کی طرف روانہ ہوجاتا ہے، تعمیل حکم میں اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ بیوی کو یہ اطلاع ہی دے دے کہ مجھے چوں کہ خدا کا یہ حکم ملا ہے اس لئے میں جارہا ہوں، حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) جب آپ کو جاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو پکارتی ہیں، مگر آپ جواب نہیں دیتے، پھر پکارتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس لق ودق میدان میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ اس کا بھی جواب نہیں دیتے، مگر وہ بی بی بھی خلیل اللہ (علیہ السلام) کی بی بی تھیں سمجھ گئیں کہ ماجرا کیا ہے؟ اور کہنے لگیں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) کو بھی جب حکم خداوندی کا علم ہو گیا تو نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ جایئے جس مالک نے آپ کو چلے جانے کا حکم فرمایا ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ نومولود بچہ جن کو آج حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کہا جاتا ہے نشوونما پاتے ہیں، اور کام کاج کے قابل ہوجاتے ہیں، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) باشارات ربانی گاہ گاہ تشریف لاتے ہیں اور بی بی و بچہ کو دیکھ جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کا تیسرا امتحان لیتے ہیں، یہ بچہ اس بیکسی اور بے سروسامانی میں پروان چڑھا اور بظاہر اسباب باپ کی تربیت اور شفقت سے بھی محروم رہا اب والد ماجد کو بظاہر یہ حکم ملتا ہے اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردو ارشاد قرآنی ہے، جب بچہ اس قابل ہوگیا کہ باپ کے ساتھ کام کاج میں کچھ مدد دے سکے تو ابراہیم (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ اے بیٹے! میں خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کررہا ہوں تو بتلا کہ تیرا کیا خیال ہے؟ فرزند سعید نے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے، آپ مجھے بھی اس کی تعمیل میں انشاء اللہ ثابت قدم پائیں گے۔ اس کے بعد کا واقعہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ کے جنگل میں گئے، اور اپنی طرف سے حکم حق جل وعلا شانہ کی پوری تعمیل کردی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے اس کا فدیہ نازل فرما کر اس کی قربانی کا حکم دے دیا، اور یہ سنت ابراہیمی آنے والی دنیا کے لئے دائمی سنت بن گئی، یہ کڑے اور سخت امتحانات تھے جن میں حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کو گزارا گیا۔ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ نقل کیا ہے کہ پورا اسلام تیس حصوں میں دائر ہے، جس میں سے دس سورۃ برأت (۱۱۲) میں مذکور ہیں اور دس سورۃ احزاب (۳۳-۳۵) میں اور دس سورۂ مومنون (۱-۷) میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ان تمام چیزوں کا پورا حق ادا کیا اور ان سب امتحانات میں پورے اترے اور کامیاب رہے، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے جتنی علمی، عملی اخلاقی صفات مطلوب ہیں وہ ان تینوں سورتوں کی چند آیات میں جمع

کر دی گئی ہیں اور یہی صفات وہ کلمات ہیں جن میں حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کا امتحان لیا گیا اور آیت وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ میں انہی صفات کی طرف اشارہ ہے، ان آیات کے متعلق قابل غور سوالات میں سے دو سوالوں کا جواب یہاں تک ہو گیا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ اس امتحان میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی کامیابی کا درجہ اور مقام کیا رہا، تو وہ خود قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں ان کو سند کامیابی عطا فرمائی ارشاد ہوا، وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى (۳۷: ۵۳) (وہ ابراہیم (علیہ السلام) جس نے پورا کر دکھایا) اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر امتحان کی مکمل اور سو فیصدی کامیابی کا اعلان فرما دیا۔

چوتھا سوال کہ اس امتحان پر انعام کیا ملا، اس کا ذکر خود اسی آیت میں آچکا ہے یعنی، قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (۲:۱۲۴) (امتحان کے بعد) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، اس سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کو اس کامیابی کے صلہ میں امامت خلق اور پیشوائی کا انعام دیا گیا دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ خلق خدا کے امام ومقتداء اور پیشوا بننے کے لئے جو امتحان درکار ہے وہ دنیا کے مدارس اور یونیورسٹیوں جیسا امتحان نہیں جس میں چند مسائل کی فنی تحقیق اور علمی موشگافی کو کامیابی کا اعلی درجہ سمجھا جاتا ہے، اس عہدے کے حاصل کرنے کے لئے ان تیس اخلاقی اور عملی صفات میں کامل اور مکمل ہونا شرط ہے جن کا ذکر ابھی بحوالہ آیات آچکا ہے قرآن کریم نے ایک دوسری جگہ بھی یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا ہے، وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَٮِٕمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ (۳۲:۲۴) یعنی ہم نے ان میں سے امام اور پیشوا بنائے کہ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کریں، جب انہوں نے اپنے نفس کو خلاف شرع کاموں سے روکا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا، اس آیت میں امامت و پیشوائی کے لئے ان تیس صفات کا خلاصہ دو لفظوں میں کر دیا گیا ہے، یعنی صبر و یقین۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ آئندہ آنے والی نسلوں کو منصب امامت و پیشوائی دینے کے لئے جو یہ ضابطہ ارشاد ہوا ہے کہ فاسق اور ظالم لوگوں کو یہ منصب نہ ملے گا اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی توضیح یہ ہے کہ امامت و پیشوائی ایک حیثیت سے اللہ جل شانہ کی خلافت ہے، یہ کسی ایسے شخص کو نہیں دی جاسکتی جو اس کا باغی اور نافرمان ہو اسی لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے اختیار سے اپنا نمائندہ یا امیر کسی ایسے شخص کو مقرر نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کا باغی یا نافرمان ہو۔ (مستفاد از معارف القرآن)

درسِ حدیث



”عشرۂ ذی الحجہ“ کی اہمیت

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عباسٍ رضي الله عنهما أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وآله وسلم قالَ: مَا مِنْ أَيَّامِ العَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا أَحَبُّ إِلىَ اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِيْ أيامَ العَشْرِ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَ لَا الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ؟ قَالَ: وَ لَا الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، إلاَّ رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ، فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (عشرۂ ذی الحجہ) ان دنوں کے عمل سے زیادہ کسی دن کے عمل میں فضیلت نہیں، لوگوں نے عرض کیا: اور جہاد میں بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں جہاد میں بھی نہیں، سوائے اُس شخص کے جو اپنی جان و مال خطرہ میں ڈال کر نکلا اور واپس آیا تو ساتھ کچھ بھی نہیں لایا (یعنی سب کچھ راہِ خدا میں قربان کر دیا)۔

تشریح: سال کے جتنے مہینے اور ایام ہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ نظام کے مطابق اپنا سفر طے کرتے ہیں اور یہ سب ایام و اوقات بندوں کے حق میں تقرب وتعبد کے لئے برابر ہیں، تاہم اللہ پاک ہی نے کچھ ایام و اوقات کو ایسی خاص فضیلت و اہمیت مرحمت فرمائی ہے جس کی قدر کر کے بندہ روحانی و ایمانی ترقیات کے منازل بڑی تیز رفتاری اور سرعت کے ساتھ طے کرتا ہے، یہ محض فضلِ خداوندی وعطاءِ ربانی ہے، جو حق تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ شانِ کریمی ورحیمی کے ظہور کا مظہر ہے، خصوصیت وفضیلت کا خاص مقام رکھنے والے ایسے ہی ایام میں ”عشرۂ ذی الحجہ“ بھی ہے، جس کے روز وشب اپنے فضائل کے پیشِ نظر بڑی اہمیت اور قدردانی کے مستحق ہیں، ”سورۂ فجر“ میں اللہ پاک نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے، جس سے ”عشرۂ ذی الحجہ“ ہی کی راتیں مراد ہیں، جس چیز کی قسم اللہ رب العزت کھاتے ہیں وہ اُس کی عظمت ورفعت کی دلیل ہوتی ہے، ان ہی ایام میں ایک یوم ”یوم عرفہ“ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

یوم عرفہ کے روزہ کی وجہ سے پچھلے ایک سال اور اگلے ایک سال کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔(مسلم:۱۱۶۲) ان ہی دنوں میں ''قربانی'' جیسی عبادت کی انجام دہی ہوتی ہے،قربانی کا یہ عمل بندوں کے اندر جان نثاری کے جذبات کو پروان چڑھا جاتا ہے،جس کی اہمیت وعظمت کو جتاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قربانی کے دنوں میں ''قربانی سے زیادہ افضل کوئی عمل نہیں''؛ان ہی دنوں میں تکبیرِ تشریق کا اہتمام کیا جاتا ہے،جس میں حق تعالیٰ کی عظمت وکبرائی کے گُن گائے جاتے ہیں،ان ہی دنوں میں ''حج'' جیسی عاشقانہ عبات کو ادا کیا جاتا ہے، بہ ہر حال یہ اور ان جیسے بہت سے اعمال واذکار کی وجہ سے ''ذی الحجہ'' کے ابتدائی ایام عظیم الشان اور رفیع المرتبت ہیں،حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انہی ایام کے سلسلے میں فرمایا: ان دنوں میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کی طرح اجر وثواب رکھتی ہے۔(ابن ماجہ)

مذکورہ الصدر حدیث شریف میں بھی نبی کریم ﷺ ''عشرۂ ذی الحجہ'' کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں کہ ان دس دنوں میں عمل کرنے سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عمل کرنا اللہ کو پسندیدہ اور محبوب ہو،حتی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی ان دنوں کے نیک اعمال کے برابر نہیں ہے،البتہ ایسا آدمی جو اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلا اور پھر واپس نہ ہوسکا،اُس آدمی کا جہاد ان دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ افضل ہے۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں ان دنوں کی عظمت اہمیت اور فضیلت وقعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،اس لئے ہمیں ان دنوں کی قدر کرتے ہوئے استفادہ کی کوشش کرنا چاہئے،اِن تمام فضائل وبرکات کو حاصل کر لینے کا بہتر اور سہل طریقہ یہ ہے کہ ہمت کر کے ان دنوں میں روزہ رکھنے کا اہتمام کیا جائے،اس لئے کہ روزہ کی برکت سے خود بخود گناہوں سے بچنا آسان ہوجائے گا،دوسرے رات کو حسبِ ہمت عبادت کرنے کا اہتمام کیا جائے؛ یا کم از کم تہجد کی نماز پڑھنے کی کوشش کریں،تاکہ شبِ قدر کی فضیلت حاصل ہو،تیسرے حسبِ استطاعت خیر وخیرات کا بھی اہتمام کیا جائے کہ ان دنوں کا ہر نیک عمل اللہ پاک کو بہت محبوب و پسندیدہ ہے،ان تمام باتوں کے نہ ہوسکنے پر گناہوں سے بچنے کا اہتمام تو ضرور کرنا چاہئے،اس لئے کہ گناہ کسی بھی وقت نہیں کرنا ہے؛ چہ جائے کہ ایسے متبرک ومقدس ایام میں کریں،ایسے دنوں میں گناہوں کی جرأت کرنا غضبِ الٰہی کو دعوت دینا اپنے آپ کو عنایاتِ ربانی محروم کرنا ہے۔

اللہ پاک ہم سب کو قدردانی کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

پیش گفتار

اپنے ایمان کو مضبوط کیجئے

درجِ ذیل مضمون مدیر محترم مدظلہ العالی کا ایک خطاب ہے، جسے مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارہ اشرف العلوم نے مرتب کر کے دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وبہٖ نستعین

اللہ تبارک وتعالیٰ شانہٗ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، اس بات پر بار بار غور کرتے رہنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں، اور مسلمان ہونا ہماری ایسی سعادت اور ایسی عزت ہے کہ اس سے بڑی کوئی عزت اور کوئی دولت نہیں، آدمی سب کچھ قربان کرسکتا ہے، پَر اپنے ایمان کو نہیں کھوسکتا، اس زمانے میں خاص طور سے بار بار سوچنے اور غور کرنے کی کوئی بات ہے تو وہ ایمان کی حفاظت کرنے کی بات ہے، ہمارے گھروں میں ایمان کا اتنا ذکر و مذاکرہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے بچے اور بچیاں اس کے مقابلے میں کسی اور چیز کی وقیع اور قیمتی نہ سمجھیں، آج ہماری عمر کا بڑا حصہ بے کار باتوں، موبائل فون، واٹس ایپ، فیس بُک، انسٹا گرام، ٹیوٹر وغیرہ سوشل میڈیا پر یہ جاننے کے لئے گزر رہا ہے کہ شہر میں کیا ہورہا ہے؟ ملک میں کیا چل رہا ہے؟ اسی طرح ٹائم پاس ہورہا ہے، خاص طور سے مستورات بھی اب اسمارٹ فون کے ذریعہ انہی فضولیات میں لگی ہوئی ہیں، پہلے اخبار دیکھا کرتے تھے اس سے پھر بھی کبھی بیزار ہوجاتے تھے، اب جو مصیبت آئی ہوئی ہے اس مصیبت سے تو کوئی بیزار بھی نہیں ہوتا، ایک دفعہ فون کھولا تو گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ، دو گھنٹے گزر جائیں تو بھی کچھ پتہ نہیں چلتا، رات بھی اسی میں کٹ رہی ہے نہ دین کے رہے نہ دنیا کے رہے جیسے مثل مشہور ہے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

اس وقت مسلمانوں کی ایسی صورتِ حال ہوگئی ہے کہ اکثر لوگ نہ اللہ کو پارہے ہیں نہ ہی دنیا کما رہے ہیں، دنیا میں بھی صفر ہیں، نہ کچھ کمانے کے ہیں نہ کچھ کرنے کرانے کے، اور آخرت کا نقصان تو سب سے بڑا نقصان

ہے مگراس میں بھی بالکل لاپرواہ ہوگئے ہیں۔اس وجہ سے بڑوں کواور والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں میں ماحول کوتبدیل کریں، اعمال والا ماحول بنائیں،صبح اٹھیں سب سے پہلے نماز پڑھیں ،نماز سے فارغ ہوکر قرآن مجید کی تلاوت کریں، پھرگھر گرہستی اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگ جائیں،اوراس کے بعد جب بچے اسکول چلے جائیں توتھوڑا سا آرام کرلیں،اس کے بعد گھر کی صفائی ستھرائی کرلیں،ایک ترتیب سے ہر کام ہونا چاہیے،قرآن کی تلاوت ہونی چاہیے،دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

آج کل ان چیزوں کا شوق تو بالکل ختم ہوگیا،اب گھروں میں گھر گرہستی سے فارغ ہوئے تو زیادہ تر اوقات فون میں خراب کررہے ہیں،یہ فون کی مصروفیت ایسی ہے کہ اس سے ایمان کمزور ہوجائے گا اور جب ایمان کمزور ہوجائے گا توکبھی خدانخواستہ ایمان پر حالات آئیں تو ان کا مقابلہ نہ کرسکوگے،کیوں کہ تالاب کا بند کمزور ہے اور پانی زیادہ ہوگیا تو بند ٹوٹ جائے گا،مقابلہ نہ کرسکے گا اور اگر بند مضبوط ہے تو وہ اسی طرح قائم رہے گا،پانی رُک جائے گا،یا سوکھ جائے گا،یاباقی رہے گا مگر بند کو کچھ فرق نہیں پڑے گا،بند اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے،آپ لوگ سکندرآباد جاتے ہوئے راستے میں ٹینک بند دیکھتے ہیں،جس پر سے سڑک جارہی ہے،وہ دراصل ایک بند ہے،جو حسین ساگر کے پانی کو بستی میں آنے سے روکنے کے لیے بنایا گیا ہے،حسین ساگر میں کتنا پانی ہے اگر بند ٹوٹ جائے تو اس طرف کی سب بستیوں کو بہالے جائے گا،اتنا مضبوط بند بنایا جاتا ہے،جب سے وہ تالاب بنا ہے تب سے نیچے کی بستی والے اس کے سیلاب سے محفوظ ہیں،اگر وہ کمزور ہوجائے یا اس کی بنیادیں کمزور ہوجائیں ،اور بند ٹوٹ جائے تو پانی آگے کی بستیوں کو بہالے جائے گا۔اسی طریقے سے ایمان ہے اگر ایمان کمزور ہوگیا یا ایمان کوگھن لگانے والے اعمال میں ہم مبتلا ہوگئے تو ایمان خراب ہوجائے گا،یا کمزور ہو جائے گا دونوں صورتوں میں اس کے اندر برداشت کی قوت ختم ہوجائے گی۔اب جو بے دینی کے،بے حیائی کے بے پردگی کے،گناہوں کے،اور فضولیات کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک کے جتنے سیلاب آرہے ہیں یہ سیلاب ہمارے ایمان کو دھکا دے کر نکل جائیں گے تو ایمان بہہ جائے گا،ضائع ہوجائے گا اور اگر ایمان مضبوط ہے تو ہزار سیلاب آئیں وہ ٹکراتے رہیں گے لیکن ایمان کوکبھی بھی کمزور نہ کرسکیں گے،ایمان مضبوط رہے گا۔

بہ ہرحال ایمان ایک ایسی چیز ہے جو ایک حالت پر قائم نہیں رہتی،گھٹتی بڑھتی رہتی ہے،اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم مسلمان ہیں،ہمارے ایمان کو کچھ نہ ہوگا،ایسا نہیں ہے،بل کہ ایمان بڑھتا بھی ہے گھٹتا بھی ہے، ایمان بڑھتا کیسے ہے؟ ایمان والے اعمال سے بڑھتا ہے! ایمان گھٹتا کیسے ہے؟ بے ایمانی والے اعمال سے گھٹتا ہے! امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں اسی طریقے سے ابواب قائم فرمائے ہیں،جیسے الصلوٰۃ من الایمان، الزکوٰۃ من الایمان،جتنے اچھے اعمال ہیں وہ ایمان بڑھانے والے ہیں،اور الکذب من النفاق،الغیبۃ

من النفاق ایسے جتنے برے اعمال ہیں وہ نفاق سے تعلق رکھتے ہیں، منافقانہ کام کریں گے تو نفاق مضبوط ہوگا، ایمان کمزور ہوگا، کافرانہ اعمال کریں گے تو کفر مضبوط ہوگا ایمان کمزور ہوجائے گا، مشرکانہ اعمال کریں گے تو شرک مضبوط ہوگا ایمان کمزور ہوگا اور اگر ایمان والے اعمال کریں گے تو ایمان مضبوط ہوگا، اور کفر کمزور پڑے گا، شرک کمزور پڑے گا، نفاق کمزور پڑ جائے گا۔ اس لئے اگر ہم ایمان خوب اچھی طرح مضبوط کرلیں تو یہ کفر یہ شرک یہ نفاق سب برباد اور تباہ ہوجائیں گے ہم خالص توحید اور پختہ ایمان پر آجائیں گے۔

میری بہنو! اور بچیو! یہ سب کرنے کے کام ہیں، ہم سب سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، مسلمان ہونا کافی ہے! حقیقت یہ ہے کہ محض مسلمان ہوجانا، اسلامی عقائد کو مان لینا ایمان کو باقی رکھنے اور بڑھاتے رہنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس کو باقی رکھنے کے لئے بہت کچھ کرتے رہنا پڑتا ہے، جیسے چراغ جلا دینا کافی نہیں اس پر حُباب لگانے کی بھی ضرورت ہے، نہیں تو ہوا کا ایک جھونکا چراغ بجھا کر اندھیرا پھیلائے گا۔ اس وقت پورے ملک کے اندر بے دینی بے ایمانی کی ہوائیں چل رہی ہیں، مسلمان بڑی بڑی مشکلات اور آزمائشوں سے گزر رہے ہیں، ایسے میں اگر آپ ایمان کو مضبوط نہیں کریں گے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے، آپ کے پاس سب خوبیاں ہوسکتی ہیں، سب کمالات ہوسکتے ہیں لیکن ایمان کا معاملہ خطرے میں رہے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب لوگ غربت کی وجہ سے سب سے پہلے اپنے ایمان پر ہاتھ صاف کریں گے، مثال کے طور پر چائنا میں اور رشیا میں مسلمانوں پر ایسی سخت پابندیاں لگادی گئیں تھیں کہ اذان بھی نہیں دے سکتے، نماز بھی نہیں پڑھ سکتے، قرآن بھی نہیں پڑھ سکتے، نہ بچوں کو قرآن پڑھا سکتے ہیں اور پولیس سخت نگرانی کرتی رہی اگر پتہ چلا کہ کسی گھر میں کسی شخص نے نماز پڑھی ہے تو اس کو بھی لے جا کر جیل میں ڈال دیتی تھی، راستے میں سڑک پر کھیلنے والے بچوں کو پولیس والے، سی ائی ڈی والے پکڑ لیتے اور پوچھتے تھے کہ تمہاری امی نے آج قرآن پڑھا ہے؟، کیا نماز پڑھی ہے؟ بچے اگر بھولے پن کی وجہ سے ہاں! کہہ دیتے تو بچے کے اتنا کہہ دینے کی وجہ سے گھر میں داخل ہوتے اور ماں باپ کو پکڑ کے لے جا کر جیل میں ڈال دیتے، اتنی سخت پابندیاں قرآن پر لگائی گئی، حدیث پر لگائی گئیں، اذان پر لگائی گئیں، اسلامی تہذیب پر لگائی گئیں، اسلام کا اور خدا کا نام لینے پر لگائی گئیں لیکن اللہ کے وہ بندے اتنے مضبوط ایمان والے تھے کہ ۷۲ سال تک چوری چھپے دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایمان کی حفاظت کرتے رہے، قرآن کی حفاظت کرتے رہے، ۷۲ برس کے بعد رشیا آزاد ہوا تو پتہ چلا کہ گھر گھر حافظِ قرآن ہیں، نمازی ہیں، ان لوگوں نے کتابیں چھپا کر رکھیں، فتاویٰ کی حفاظت کی، قبروں کے اندر دین کی تعلیم دی، تہہ خانوں میں چھپا کر بچوں کو پڑھوایا، اس طریقے سے دین وایمان کی حفاظت کی، ہمارے ایمان اتنے مضبوط نہیں ہے اگر ہمارے اوپر خدانخواستہ ایسی پابندی لگ جانے کی نوبت آجائے تو ہم

کہیں ایمان پر سودا نہ کر بیٹھیں کہ دین لے لو، ہمیں آرام سے رہنے دو، ہم ایسے بولنے والے لوگ ہیں، اس لیے ہمیں اس کی بہت مشق کرنے کی ضرورت ہے کہ ایمان کیسے مضبوط ہو؟ ہمارے گھروں میں ایمان کی محنتیں نہیں ہو رہی ہیں، ہمارے گھروں میں ایمان کے چرچے نہیں ہو رہے ہیں، ہمارے گھروں میں ایمان کی تذکرے نہیں ہو رہے ہیں، ہمارے گھروں میں ایمان کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دینے والے مردوں اور عورتوں کے تذکرے نہیں ہو رہے ہیں، اگر ہم یہ کام کرنے لگیں گے تو ہمارے بچوں کے ذہن بنیں گے، ہماری بچیوں کی تربیت ہوگی۔ آج آپ اپنے بچوں کو اچھا کھلا رہے ہیں، اچھا پہنا رہے ہیں ماشاء اللہ، بچوں کی خواہشیں پوری کر رہے ہیں، بچوں کو خوش دیکھ رہے ہیں، بچوں کو پڑھا رہے ہیں، بچوں پر آپ کی یہ مہربانیاں سب ٹھیک ہیں، لیکن سب سے بڑی مہربانی ایمان کی حفاظت کی مہربانی ہے، اس کی طرف سے غفلت مت کیجئے، ایمان بنانے کی فکریں کیجیے، ایمان کی باتیں کیجیے، ایمان کا ذہن بنایئے، گھر میں ایمان والے اعمال لایئے، گھر میں ایمان ایمان کے چرچے کرتے رہیے، اتنا کیجیے کہ در و دیوار سے ایمان کی باتیں نکل رہی ہوں، ایسی محنت کے بعد ہمارے بچوں کے ایمان مضبوط ہوں گے، اور آنے والے زمانے میں خدانخواستہ یہ آزمائشوں سے گزریں گے تو سب کچھ کھوئیں گے پر دنیا سے ایمان بچا کر لے جائیں گے، اور جو ایمان بچا کر لے جائے گا اس کے لیے جنت یقینی ہے، اور جو دنیا سے ایمان نہیں لے جائے گا تو چاہے کچھ بھی لے کر جائے کچھ نہیں ملے گا، ایمان کی قیمت پر اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے، آخرت کی کامیابیاں سب ایمان پر ہیں تو ایمان والی محنتیں کیجئے۔

آج کے حالات میں اور آج کے دور میں سب سے بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ مردوں میں عورتوں میں جوانوں میں بچوں میں بچیوں میں سب میں ایمان کے مذاکرے ہوں، ایمان والوں کے تذکرے ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہو، صحابہؓ کا تذکرہ ہو، اولیاء کا تذکرہ ہو، ان لوگوں کے تذکروں سے ایمان مضبوط ہوگا، اسی طرح ایمان والے اعمال سے ایمان مضبوط ہوگا، جیسے نماز پڑھنا، روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، خیر خیرات کرنا، محلہ کے بیماروں کی عیادت کرنا اور پریشان حالوں کی پریشانی دور کرنا، جو غریب ہیں مصیبت زدہ ہیں ان کی مدد کرنا، قرآن کی تلاوت، اللہ کا ذکر، نمازوں کی پابندی، نوافل کا اہتمام، ہو سکے تو رات میں کچھ عبادت کرنے کی کوشش کرنا وغیرہ یہ سب چیزیں ہمارے ایمان کو مضبوط کرنے والی ہیں، تو ان پر توجہ دیجئے، محنت کیجئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے توفیق نصیب فرمائے۔ ایمان والے ماحول کو بنانے اور ایمان کو خوب پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گوشہ سیرت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نجاشی کے نام خط اور اس کا جواب

از: مرتب*

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنے ابنِ عم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء کے بارے میں شاہِ نجاشی کے پاس روانہ فرمایا اور اُن کے ذریعہ نجاشی کے نام خط بھی بھیجا۔(جس کا مضمون درجِ ذیل ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ خط نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے شاہِ حبشہ نجاشی اصحم کے نام

سلام علیک! سلام ہو تم پر! میں ثنا خواہ ہوں اُس اللہ کا جو بادشاہ، تقدس کا مالک، امن بخشنے والا اور سب کا نگہبان ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہے جسے اس نے پاکباز، عفت مآب مریم بتول کے رحم میں ڈالا ہے، وہ عیسیٰ سے پُر اُمید ہوئیں پھر اللہ نے اُسے اپنی روح اور حکم سے پیدا کیا جیسے سیدنا آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے روح ڈال کر پیدا کیا، میں تمہیں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کی دعوت دیتا ہوں، تم میری پیروی کرو اور مجھ پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لے آؤ، اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں نے اپنے چچازاد بھائی جعفر اور کچھ مسلمانوں کو تمہارے پاس بھیجا ہے، تم اُنھیں ٹھکانہ دو اور تکبر سے باز رہو، پھر میں تمہیں اور تمہاری قوم کو اللہ کی طرف بُلاتا ہوں؛ میں نے پیغام پہونچا دیا اور خیر خواہی کی، تم لوگ میری اس نصح وخیر خواہی کو قبول کرو۔ سلام ہو اس پر جس نے راہِ ہدایت اپنائی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

نجاشی نے جوابی خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

سلام علیک یا نبی اللہ من اللہ ورحمتہ وبرکاتہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے مجھے اسلام

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

سے سرفراز کیا، مجھے آپ کا والا نامہ موصول ہوا، اس میں آپ نے سیدنا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے متعلق جو ذکر فرمایا، آسمان وزمین کے رب کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام ورتبہ اس سے رتی برابر بڑھا ہوا نہیں ہے، آپ جس دین وشریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے میں اُسے جان گیا اور آپ کے عمِ زاد اور اصحاب کو ٹھکانہ دیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ کے ابن عم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اللہ رب العالمین پر ایمان لے آیا۔ اے اللہ کے نبی! آپ کی خدمت میں فرزندِ عزیز ''اریحا'' کو بھیج رہا ہوں، اس لئے کہ میں اپنے علاوہ کسی کا مالک نہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع ہوتا تو ضرور قدم بوسی کرتا کیوں کہ آپ کی دعوت برحق ہے۔ (دلائل النبوۃ: ۲/۲۲۸)

(بقیہ صفحہ ۳۰ سے)

سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نیکی یہ ہے کہ تم کسی مسلمان کی زندگی میں خوشی لاؤ، یا اس کی تکلیف وپریشانی دور کرو، یا اس کے قرض کی ادیگی کا انتظام کرو، یا اس کی بھوک کو ختم کرو، اور میں اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ (کچھ وقت) چلنے کو مسجد میں دو مہینے اعتکاف کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں، اور جس کسی نے اپنا غصہ روک لیا، اللہ تعالیٰ اس کی ستر پوشی فرمائے گا، اور جس کسی نے انتقام و بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے دل کو غنا سے بھر دے گا، جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ساتھ چلا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدموں کو (پُل صراط پر) پھسلنے (اور جہنم میں گرنے) سے بچائے گا اور ثابت قدم رکھے گا، اور برے اخلاق ساری نیکیوں کو ایسے خراب کر دیتے ہیں جیسے سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر للالبانی)

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ وام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کی والدہ محترمہ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: ان کا نام زینب ہے، مظعون بن حبیب کی بیٹی ہیں، ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے: زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جُمَح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی بن غالب۔ کعب بن لوی پر جا کر ان کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے، عظیم صحابیہ ہیں، حضرت عمر بن الخطابؓ کی اہلیہ محترمہ اور زوجہ مکرمہ ہیں، فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المؤمنین حضرت حفصہؓ انہی حضرت زینب بنت مظعونؓ کے بطن سے ہیں، ان کے تین بھائی حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ اور حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا شمار عظیم، جلیل القدر، اصحابِ بدر اور سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ ان کی والدہ محترمہ ریطہ بنت عبدب عمرو بن نضلہ ابن غبشان، قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ عظیم شوہر، عظیم بھائیوں اور عظیم بچوں کی ماں ہونے کا اُنھیں شرف حاصل ہے، یہ اپنے نام ونسب سے ہی معروف رہی ہیں، ام عبداللہؓ اپنے فرزند کی نسبت سے اس کنیت سے معروف نہیں ہوئیں۔ (اسد الغابۃ، زینب بنت مظعون: ۷/ ۱۳۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قبول اسلام

حضرت عمر فاروقؓ کی سب سے پہلی زوجہ محترمہ ہیں، حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان سے زمانۂ جاہلیت میں نکاح کیا، پھر حضرت عمرؓ کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، ساتھ میں ان کے دونوں اولاد حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت حفصہؓ تھیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۴/ ۱۸۵۷، دار الجیل، بیروت، الطبعۃ الاولی)

تربیت اولاد

حضرت زینب بنت مظعونؓ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المؤمنین حضرت حفصہ

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

بنت عمر بن الخطاب ؓ کی بڑی اچھی تربیت کی، ان کو اعلیٰ اخلاق وکردار سے سنوارا، ان کی صحیح پرورش وپرداخت کی، ان کو صحیح پروان چڑھایا، علم کا شیدا بنایا، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی نہایت اعلیٰ اخلاق اور شجاعت وبہادری اور علم پروری پر تربیت حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ عظیم محدث، فقیہ، نوجوان اہلِ علم صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے جب اپنے والدین کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، عمر بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے، جنگ بدر کے موقع سے ان کی عمر تیرہ سال تھی، شرکت جہاد کی اجازت نہیں ملی، غزوۂ احد کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی، اس غزوہ میں بھی کم عمری، صغرسنی کی وجہ سے شرکت سے محروم رہے، شوق وجذبہ تو بہت زیادہ تھا، پھر غزوہ خندق اور دیگر غزوات میں شرکت کی، بلکہ بعد میں عظیم فقیہ مدینہ شمار ہوئے لوگ ان سے دینی اموروا حکام کے تعلق سے دریافت کرتے،۔ ہمیشہ عہدے اور مناصب سے باوجود اصرار کے اپنے آپ کو علاحدہ رکھا، یہ سب ماں حضرت زینب بن مظعون ؓ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

(اسد الغابۃ، عبداللہ بن عمر بن الخطاب: ۳/ ۳۳۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اپنی بیٹی حفصہ بنت عمر ؓ کی تربیت بھی نہایت اعلیٰ درجے کی، حضرت حفصہ ؓ کی ولادت بعثت نبوی سے پانچ سال پہلی ہوئی، بلوغیت کے بعد خنیس بن حذافہ ؓ سے نکاح ہوا، سابقین اولین میں اسلام لانے والوں میں شمار ہوتی ہیں، ہجرت کی دولت سے مشرف ہوئیں، شوہر خُنیس ؓ نے غزوۂ بدر واحد میں شرکت کر کے دین اسلام کی حفاظت اور مدافعت کے لئے بے شمار زخم کھائے، جانبر نہ ہوکر رحلت فرمائے گئے؛ حضرت عمر ؓ کو بیٹی کی بیوگی کا بڑا غم ہوا، بیٹی کے لئے شوہر کی تلاش میں جٹ گئے، حضرت عمر بن خطاب ؓ نے حضرت عثمان بن عفان ؓ کو بیٹی کا پیغام نکاح دیا، انہوں نے کہا: میں اس معاملہ میں غور کرتا ہوں، چند دنوں کے بعد حضرت عمر ؓ سے بیٹی کے نکاح کے سلسلے میں معذرت کی، اسی طرح حضرت ابوبکر ؓ سے پیشکش کی، حضرت ابوبکر ؓ نے کچھ جواب مرحمت نہیں فرمایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیغام نکاح دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت حفصہ کا نکاح ہوا، حضرت حفصہ نہایت ذہین وفطین، ماں کی تربیت کا خلاصہ تھیں، علم ومعرفت سے بے انتہا شغف تھا، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوم وانوار سے خوب استفادہ کیا، کئی ایک احادیث منقول ہیں، یہ سب والدین کی تربیت اور ان کی صحیح نگہداشت اور اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا، جن میں والدہ محترمہ حضرت زینب بنت مظعون ؓ کا بڑا رول رہا ہے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد، حفصۃ بنت عمر: ۸/ ۶۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وفات: ان کی وفات کے سلسلے میں اختلاف ہے، سنِ وفات معلوم نہیں، ایک روایت میں ہے کہ وفات مکہ معظّمہ میں ہوئی، دوسری روایت کے مطابق وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائیں اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

گوشۂ اُضحیہ

صدقہ؛ قربانی کا بدل نہیں!

بہ قلم: مولانا محمد عمر نظام آبادی قاسمی*

اسلامی تعلیمات بندۂ مؤمن کو اپنے خالق کے ساتھ وفا شعاری، عبدیت و بندگی، خدا تعالیٰ کی محبت میں علائق دنیا سے بے نیازی، خود سپردگی، شرک سے نفرت، اور حق کی دعوت سکھاتی ہے؛ چناں چہ قربانی ـــــ جو کہ ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے ـــــ کا مقصد بھی یہی ہے کہ تقربِ خداوندی کے حصول کی نیت سے حکمِ ربانی کے سامنے خواہشاتِ نفسانی کو ملیا میٹ کر دیا جائے؛ مگر حیف صد حیف کہ اس طرف ہمارے ذہنوں کی رسائی تک نہیں ہوتی؛ حالاں کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت دل میں جاگزیں ہو جانا اور ہر معاملے میں شریعت اسلامی کا تابع فرمان بن جانا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عقل، اپنے علم اور اپنی رشتہ داری وغیرہ کسی بھی چیز کو اللہ کے حکم کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی؛ اسی طرح ہم کو بھی چاہیے کہ جب خدا کا حکم آ پہنچے تو وہاں نہ اپنی عقل کو ترجیح دیں نہ اپنے علم کو، نہ کوئی اور چیز آڑے آئے؛ لیکن افسوس کہ آج کل بعض کسل پسند، کوتاہ نظر لوگ شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے اور مادیت پرستی کی بنیاد پر قربانی کے بجائے صدقہ پر زور دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جانور قربان کرنے کے بجائے اگر اس کی قیمت غرباء میں تقسیم کر دی جائے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کر دی جائے تو غریبوں کی امداد ہو جائے گی اور یہ ان کے حق میں بہتر اور مفید رہے گا؛ حالاں کہ ان کی یہ بات سراسر بے بنیاد اور مبنی بر جہالت ہے، اولاً تو اللہ کی شریعت میں کسی کو مداخلت اور ردو بدل کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے، ثانیاً کہ قربانی کا مقصد غریبوں کا تعاون اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا نہیں ہے، اس کے لئے تو شریعت نے زکاۃ وصدقات کا ایک مکمل نظام بنایا ہے؛ بلکہ قربانی کا مقصد محبتِ الٰہی کا مظاہرہ اور نفس کشی کا ذریعہ ہے؛ جیسا کہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کا نمونہ پیش کیا، اس لئے قربانی میں جانوروں کے ذبح کرنے کو ان ایام میں سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت قرار دیا گیا ہے، اور اس کے ذریعہ یہ مزاج بنانا مقصود ہے کہ جب بھی بندۂ مؤمن کو کوئی حکم دیا جائے تو وہ بلا چوں چرا اس کی پابجائی کے لئے تیار ہو کر اس کو عملی جامہ پہنائے، اپنی عقل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حکمِ خداوندی پر

* فاضل دار العلوم دیوبند

عمل پیرا ہو جائے۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دو

قربانی کا کوئی متبادل نہیں شریعت کی روشنی میں:

قربانی محض جانور کے خون بہانے یا گوشت خوری کا نام نہیں؛ بلکہ تقربِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے اور بارگاہِ اَحدیت میں فداکارانہ جذبۂ قلبی کے ساتھ نذرانۂ عبودیت پیش کرنے کا نام ہے، اور اس کا کوئی بدل نہیں؛ جیسا کہ احادیثِ مبارکہ سے بھی معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس دن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے بڑھ کر بنی آدم کا کوئی عمل پسندیدہ نہیں ہے"۔ (سنن الترمذی، فضل الأضحیۃ، رقم الحدیث: ۱۴۹۳) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے افضل نہیں"۔ (سنن الدارقطنی، کتاب الأشربۃ، رقم الحدیث: ۴۳)

مختصر یہ کہ صاحبِ مرقاۃ المفاتیح ملا علی قاری رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ "بعض فقہاء کے نزدیک قربانی واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنتِ مؤکدہ؛ لیکن بہرصورت اس دن میں قربانی کرنا یعنی: خون بہانا متعین ہے، اس عمل کو چھوڑ کر جانور کی قیمت صدقہ کر دینا کافی نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ صدقہ کرنے میں شعائرِ اسلام میں سے ایک بہت بڑے شعار کا ترک لازم آتا ہے؛ چنانچہ اہل ثروت پر قربانی کرنا ہی لازم ہے۔" (مرقاۃ المفاتیح: ۵/ ۷۳) اور قربانی نہ کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قربانی کی وسعت رکھتا ہو اور پھر بھی قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳)

فلسفہ قربانی عقل کے میزان میں

ذرا ٹھہر کر یہ سوچنا چاہیے کہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے، جیسے نماز پڑھنے سے روزہ، اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکاۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعاملِ صحابہ اس پر شاہد ہیں۔

ایک سبق آموز حکایت!

جو لوگ صرف اپنی عقل کے بل بوتے پر قربانی جیسی مہتمم بالشان عبادت سے محروم رہتے ہیں ان کے لئے

عبرت اور نصیحت کے طور پر یہاں ایک حکایت (جسے حضرت تھانویؒ نے نقل کیا ہے) تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ "ایک شخص تھے جو قربانی کے دنوں میں جانور ذبح نہ کرتے تھے؛ بلکہ اس کی قیمت خیرات کر دیا کرتے تھے، ایک رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ میدانِ قیامت برپا ہے، اور پل صراط قائم ہے، اور دوسرے کنارے پر جنت ہے، بہت لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو ہو کر پل صراط کو طئے کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور یہ شخص حیران اور پریشان کھڑا ہے کہ میں کس طرح سے گزروں؟ نہ میرے پاس کوئی سواری ہے اور نہ کوئی حیلہ ہے اور یہ شخص یہ بھی سوچ رہا تھا کہ یہ سواریاں لوگوں کے پاس کہاں سے آتی ہیں اور کون دیتا ہے؟ اچانک آواز آئی کہ یہ سواریاں ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے لئے تیار کی تھیں؛ یعنی یہ سواریاں قربانی کے جانور ہیں؛ چونکہ تم قربانی نہیں کرتے ہو؛ لہٰذا تم سواری سے محروم ہو، جب آنکھ کھلی تو بہت متاثر ہوئے اور قربانی نہ کرنے سے توبہ کی اور قربانی کرنے لگے"۔ صاحبو! قربانی کا یہ نتیجہ تو بالکل ظاہر ہے، حدیث شریف میں اس کی صراحت موجود ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے قربانیوں کو خوب طاقتور کیا کرو یعنی کھلا پلا کر؛ کیوں کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔ (کنز العمال) (احکامِ قربانی عقل ونقل کی روشنی میں: ۵۶)

خلاصۂ تحریر:

قربانی کا مقصد محبتِ الٰہی کا مظاہرہ ہے، جو صرف قربانی کی صورت میں ہی ظاہر ہوگا، اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا اور عقل کو معیار بنانا درست نہیں؛ کیوں کہ حکمِ خداوندی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ممکن نہیں؛ لہٰذا جو لوگ اس مرض کا شکار ہو کر قربانی کے بجائے صدقہ دیا کرتے تھے وہ اس سے باز آ جائیں اور منشاء الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور سابقہ سالوں کی قربانی کی قضا کر کے فرض کو اپنے ذمہ سے اُتار دیں۔

گوشۂ اُضحیہ

قربانی کے جانور و گوشت کی نمائش: ایک لمحۂ فکریہ

از: مولانا محمد سالم قاسمی سریانوی*

عیدالاضحیٰ کی آمد آمد ہے، ہر ایک اس کی خوشی میں سرشار ہے، قربانی کے لیے جانوروں کی خرید وفروخت جاری ہے، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق جانور کا انتخاب کر رہا ہے، واقعۃً ''قربانی'' ایک عظیم الشان عمل ہے، جس میں اپنے عزیز وقیمتی اموال کو محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے قربان کر دیا جاتا ہے، یہ قربانی سیدنا حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی زندہ یادگار ہے، جس کو اللہ رب العزت نے اس امت کے لیے ''عظیم نعمت'' بنا دیا، اس کے مختلف طرح کے فضائل ذکر کیے گئے، نیکیوں اور حسنات کی برتری وتفوق کا احساس دلایا گیا اور ''عقبیٰ'' میں ڈھیروں ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

لیکن ''نفس وشیطان'' کا وسوسہ اور دھوکہ ہر جگہ لگا رہتا ہے، آدمی کسی طرح سے نفس کی خواہشات کو ترک کر کے نیکی کی طرف آتا ہے اور اپنے مالک کی رضا وخوش نودی حاصل کرنے کی مبارک سعی کرتا ہے، لیکن انسان کا ''ازلی دشمن'' جس نے خود رب سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہر وقت ابن آدم کو گمراہ کرتا رہے گا، اور گمراہی کی چیزوں کو مزین کر کے انسان کے سامنے پیش کرتا رہے گا تا کہ اس میں مشغول ہو کر احکامِ خداوندی کے اصل مغز کو چھوڑ دے اور اس میں ایسی چیزوں کی آمیزش کر لے جس سے اس کا عمل ہی نا قابلِ قبول گردانا جائے، چناں چہ احکامِ اسلامی میں اس کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں، جس میں بعض بالکل واضح ہیں۔

قارئین سمجھ رہے ہوں گے کہ میری مراد کیا ہے؟ درحقیقت ''ریا و دکھلاوے'' کا پہلو آج کل اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ لوگ اس کی جانب توجہ ہی نہیں دے پاتے کہ کہیں یہ ''نیکی کر دریا میں ڈال'' کا مصداق تو نہیں بن رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ موبائل جیسی جدید آلات اشیاء نے جہاں ابن آدم کو کافی فائدہ پہنچایا، وہیں پر یہ چیزیں اس کے لیے ناسور بھی بنی ہوئی ہیں، اس میں مزید تکلیف کا پہلو ''سوشل میڈیا'' کا غلط استعمال بھی ہے، چاہے وہ دانستہ ہو یا غیر دانستہ، آج کل تصاویر وویڈیوز کی طوفان بلاخیز نے نہ جانے کتنے عظیم فتنوں، برائیوں اور ہلاکتوں

* استاذ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

کو جنم دیا ہے، شاید شمار سے باہر............!

’’قربانی‘‘ کے ان مقدس ایام میں ’’سوشل میڈیا‘‘ پر جانوروں کی تصاویر، اور ذبح کے دوران اور اس کے بعد کی تصاویر و ویڈیوز، نیز جانور کے گوشت وغیرہ کی تصاویر و ویڈیوز عام کرنے اور دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے کا مزاج ہے، بل کہ اس کو فیشن اور ہنر سمجھا جانے لگا ہے، جو کہ انتہائی خطرناک بات ہے، جہاں تک جاندار کی تصویر کی بات ہے تو ہر ایک اس سے باخبر ہے کہ شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے ایسی صورت میں زندہ جانوروں کی تصاویر کو سوشل میڈیا پر ڈالنا ہرگز جائز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کی ضرورت وحاجت کی بات کہی جاسکتی ہے۔

جہاں تک گوشت کی بات ہے تو وہ اگر چہ جاندار کے حکم میں نہیں رہا، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی بھی اجازت نہیں ہوسکتی، بل کہ یہ ایک طرح غیروں کو ظلم و بربریت کی دعوت دینا ہے۔

اس تصویری زاویۂ نظر سے ہٹ کر جو دوسرا پہلو ہے، جس کو ابتدا میں ذکر کیا تھا وہ بہت ہی اہم ہے، اس میں بظاہر ’’ریا وشہرت‘‘ کے پہلو کے علاوہ کوئی اور پہلو نہیں پایا جاتا جس کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی تاویل کی جاسکے، شریعت نے جملہ احکام میں ’’اخلاص وتقوی‘‘ کو بڑی اہمیت دی ہے، اور ہر ممکن اس کو اختیار کرنے کا حکم دے رکھا ہے، بل کہ ’’انفاق‘‘ کے باب میں تو اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ قرآن نے بیان کیا ہے۔

اس لیے اس مذکورہ صورت حال کی مناسبت سے بہت ہی اہم بات ہے کہ ہم اس ’’نمائش وشہرت‘‘ سے بچیں، جہاں اخروی اعتبار سے ضیاع کا خدشہ ہے، وہیں پر دنیوی اعتبار سے جان و مال کے لیے بھی خطرہ ہوسکتا ہے، ہم جس کے لیے قربانی کر رہے ہیں وہ دیکھ رہا، اسے تو بس قلب کا معیار و پیمانہ دیکھنا ہے، اسے نہ خون کی ضرورت ہے، نہ گوشت کی، نہ اور کسی چیز کی۔

بنابریں میری ہر فرد سے نہایت ہی عاجزانہ ومخلصانہ گزارش ہے کہ اس امر پر توجہ دیں اور اپنے کو بھی اس سے بچائیں اور دوسروں کو بچانے کی فکر کریں۔

گوشۂ اُضحیہ

عیدالاضحیٰ کا پیغام

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ

ہر قوم میں خوشی کے کچھ دن متعین ہوتے ہیں، جس کی بنیاد ماضی کا کوئی اہم واقعہ ہوتی ہے، اس واقعہ کی یاد کو تازہ اور اس کی روح کو قوم میں باقی رکھنے کے لیے خاص خاص موقعہ پر اس کی یادگار منائی جاتی ہے، مسلمانوں میں بھی خوشی کے کچھ دن متعین ہیں آج (عیدالاضحیٰ) کا دن ان میں سے ایک ہے، مسلمانوں کے نقطہ سے یہ اہم ترین تاریخی اور قومی دن ہے، اسی موقعہ پر پوری دنیا سے لاکھوں مسلمان مکہ معظّمہ پہنچتے ہیں اور حج جیسا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں اور پوری دنیا کے مسلمان اس موقعہ پر خوشی مناتے ہیں۔

آج کے دن مسلمان خاص طور پر دو کام کرتے ہیں، ایک تو وہ بڑی تعداد میں جمع ہو کر ایک امام کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں، دوسرے ان میں سے ہر صاحب نصاب قربانی کرتا ہے، یہ دونوں چیزیں مسلمانوں کی ذمہ داری ہیں، اب ذرا اس پر غور کیجیے کہ اسلام نے خوشی کے دن ان دو ذمہ داریوں کو انجام دینے کی ہدایت کیوں کی؟

دیکھا گیا ہے کہ خوشی اور غم دو موقعے ایسے ہیں جہاں انسان اپنے دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے، خوشی کے موقعہ پر احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور اکثر خوشی کے وقت انسان اپنے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اور غم کی پرچھائیاں زندگی کی توانائیوں کو کمزور کر دیتی ہیں، غم والم نڈھال کر دیتا ہے اور اس موقعہ پر انسان زندگی کے فرائض بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ انسان ایک متوازن زندگی گزارے اور انسانیت کے تقاضوں اور زندگی کے متعین دائروں سے کبھی باہر نہ ہو، اس لیے اس نے خوشی اور غم منانے کے طریقے بتلائے ہیں اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہے۔

عیدالاضحیٰ کے دن سورج نکلنے کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنے کی ذمہ داری بھی دراصل اپنے اندر بڑی

مصلحت رکھتی ہے، خوشی کے اس دن کی ابتدا میں نہا دھوکر، کپڑے بدل کر، خوش بو لگا کر، گھر سے نکلنا اور خوشی کے تمام جانے پہچانے طریقوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کا ایک جگہ جمع ہونا اور پروردگار کی بارگاہ میں سر جھکانا، ایسے کام ہیں جو ہمارے اندر سنجیدگی، اطاعت، نظم وضبط پیدا کرتے ہیں اور ہمیں بتاتے ہیں کہ خوشی کے لمحات میں خواہ جسم کا ہر حصہ مسکرا رہا ہو، مگر دل کو خدا کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے، خوشی کے دنوں میں بھی خدا کی یاد ہوتی رہے اور اس طرح ہوتی رہے جس طرح ہمیں خدا نے بتایا ہے، عید کے دن نماز کی یہ دو رکعتیں علیحدہ علیحدہ بھی ادا کی جاسکتی تھیں اور یہ حکم دیا جاسکتا تھا کہ نماز بند کمروں میں ادا کی جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ خشوع وخضوع، انہماک اور توجہ رہے، لیکن ایسا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ بڑی جماعت کے ساتھ ایک جگہ، ایک امام کے پیچھے، دو رکعت نماز ادا کرنے کی ہدایت دی گئی، تاکہ مسلمان یہ محسوس کریں ہمیں یکجا اور متحد رہنا اور ایک امام وامیر کے تحت منظم ہونا ہے، اسلام چاہتا ہے کہ امام وامیر ہی کے اشارہ پر مسلمانوں کی زندگی میں حرکت اور تبدیلی آئے، وہ جہاں رہیں مضبوط معاشرہ اور طاقت ور سماج کا ایک حصہ بن کر رہیں اور ان کی زندگی نظم واتحاد کے ساتھ گزرے۔

عید الاضحیٰ کی دوسری خاص چیز "قربانی" ہے، آج سے سیکڑوں برس پہلے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حضور میں اپنے لڑکے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کیا تھا، قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارادے کو اس طرح بیان کیا ہے، یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ یعنی میرے بچے میں نے خواب دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کررہا ہوں۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا: ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے کرڈالیے، انشاء اللہ آپ مجھے صابر وشاکر پائیں گے! بیٹے کی اس اجازت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرڈالا، یہ علیحدہ بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ارادہ قبول کیا گیا اور قربان گاہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ واپس آگئے۔

یہ قربانی کوئی معمولی چیز نہ تھی، بیٹے کو خدا کے حکم پر قربان کرنا دل گردہ کی بات ہے، سعید وصالح بیٹا، جو بڑھاپے کا سہارا بننے والا ہے اور جسے نبوت ملنے والی ہے اس کی گردن پر خدا کے حکم سے چھری چلانا اخلاص ووفا، ایمان ویقین کا آخری امتحان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آزمائش میں بھی کھرے اترے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر توحید کے اہم مسائل شرح وبسط کے ساتھ نازل کیے گئے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے بندوں کے سامنے توحید کا وعظ دیا اور وحدانیت کا سبق پڑھایا، ستاروں کے چمکنے اور

ڈوب جانے سے سورج کے طلوع اور غروب سے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کو توحید کا سبق واضح مثالوں سے دیا، انہوں نے سمجھایا، آفتاب خوب روشن بڑا اور سب کے کام آنے والا ہے، شاید یہی خدا ہو، لیکن اس کے غروب ہوجانے پر آپ نے لوگوں کے ذہن کو پھیرا اور فرمایا کہ انی لا احب الآفلین ہم ایسا خدا ماننے کو تیار نہیں جو صبح نکلے اور شام کو ڈوب جائے، جو فانی ہو وہ خدا کس طرح ہوگا؟ دنیا کا یہ کارخانہ بہت دنوں سے ہے اور نہ معلوم کب تک رہے گا، خدا تو ایسا ہونا چاہیے جو ہمیشہ ہو اور ہمیشہ رہے، صبح نکل کر شام کو ڈوب جانے والا خدا بننے کے لائق نہیں۔

توحید خالص کا سبق وہی دے سکتا ہے جو اخلاص ووفا اور ایمان ویقین کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہو۔ حضرت ابراہیم اس امتحان میں کامیاب ہو چکے تھے۔

حق تعالیٰ نے فنا اور قربانی کے اس تاریخ ساز واقعہ کو "ذبح عظیم" کا خطاب عطا فرمایا اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اس کی یادگار منانے کا حکم دیا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے)۔ حضور ﷺ نے جانور کی قربانی دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی یاد تازہ کر دی، آپ نے اس سنت ابراہیمی کو مخلوق میں بھی رائج کیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ "ذبح عظیم" کے واقعہ کو تازہ کرنے کے لیے ہر سال مخصوص تاریخوں میں قربانی کریں، یہ قربانی صرف اپنے مال کی قربانی نہیں ہے۔ بلکہ خواہشات نفس کی، غلط جذبات کی اور برے خیالات اور ارادوں کی قربانی ہے، یہ قربانی دراصل ایک عہد ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی کی قیمتی نشانی کو خدا کی راہ میں قربان کیا تھا اور اطاعت خداوندی کی مثال قائم کی تھی۔ ہم بھی اطاعت خداوندی کے عہد کو تازہ کرتے ہیں، تمام محبتیں خدا کی محبت کے سامنے ہیچ اور تمام احکام خدا کے حکم کے مقابلے میں منسوخ ہیں، یہ قربانی خدا اور بندے کے درمیان "پیمان" ہے کہ حکم خداوندی کی تعمیل میں اگر گردن بھی کٹانی پڑے اور خدا کا نام لینے کے بدلہ میں زندگی کا تحفہ بھی دینا پڑے تو اس سے گریز نہیں کیا جائے گا، اگر یہ مقصد اور مصلحت سامنے نہ ہو تو پھر صرف خون بہانا رہ جائے گا۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ واقعہ کی روح کو سمجھ کر قربانی دی جائے، ورنہ قربانی کے یہ جانور ان کا خون، گوشت، چمڑا، اس کی ہڈیاں، اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ کہیں نہیں جاتا، نہ خدا تک پہنچتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ یعنی خدا تک نہ قربانی کے جانور کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خون پہنچتا ہے، وہاں تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ دراصل یہ تقویٰ ہی بنیاد ہے، ورنہ خدا ظالم نہیں کہ اسے کسی کی جان لینا پسند ہو اور نہ اسلام ظلم کی تعلیم دیتا ہے، اسلام نے تو جانوروں کی حفاظت اور اس کے حقوق کو ادا کرنے کا حکم دیا

ہے، اسے یہ پسند نہیں کہ خدا کی یہ بے زبان مخلوق بھوکوں مرے، اسے پانی نہ دیا جائے، اسے کھانا نہ دیا جائے اور اگر اس سے نفع کی امید ختم ہو جائے تو گھر سے نکال باہر کیا جائے، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے حقوق کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اسے ثواب کا کام قرار دیا ہے اور جو لوگ جانوروں کو بند رکھتے ہیں اور بھوکا مارتے ہیں انہیں ظالم کہا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی نے بلی پکڑ کر رکھ لی اور وہ بھوک سے مر گئی تو ایسے شخص کو عذاب دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک جانوروں کو پالا جائے، اچھی طرح پالا جائے، اس کی دیکھ ریکھ کی جائے، تکلیف نہ پہنچائی جائے، لیکن ساتھ ہی اسلامی نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ پوری کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے وہ انسانی ضروریات کی تکمیل اور اس کی سہولت کی خاطر بنائی گئی ہے، دنیا کی ہر چیز کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لیے مفید اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے، دنیا کے سارے جانور بھی اسی لیے بنائے گئے ہیں کہ وہ اپنی مختلف اور گوناگوں صلاحیتوں سے انسان کو فائدہ پہنچائیں اور انسان ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرتا رہے۔

اسی لیے اسلام نے طرح طرح کے جانوروں سے الگ الگ طریقہ پر فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے اور یہ صرف اسلام کی دی ہوئی اجازت نہیں ہے، تاریخ کے ہر دور اور دنیا کے ہر علاقہ میں لوگوں نے جاندار چیزوں سے مختلف قسم کے فائدے اٹھائے ہیں، خاص طور پر موجودہ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں جان دار کی فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے۔ کوئی بھی شخص جان دار کے استعمال سے بچ نہیں سکتا، یہ ساگ، سبزی، پھول ہر چیز جان دار ہے اور ان میں زندگی ہے، پانی میں پائی جانے والی مچھلیوں میں بھی زندگی ہے، جنہیں ہم استعمال کرتے ہیں، اسی طرح جانوروں میں زندگی ہے، جنہیں استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ان ساری چیزوں کا استعمال اگر ہم ذاتی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کر سکتے ہیں، اگر یہی کام خدا کے نام اور تقویٰ کی خاطر کیا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔

یاد رکھیے: عیدالاضحیٰ کے دو اہم پہلو ہیں، ایک نماز باجماعت، جس سے ہمیں نظم وضبط اور ایک شخص کی اقتدا واتباع کا سبق ملتا ہے اور یہیں اس کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ موقعہ خوشی کا ہو یا غم کا، بہر حال ہمیں اپنے دل کو اللہ کی یاد سے آباد رکھنا چاہیے۔ دوسرے قربانی۔ جس سے صبر کا استقامت کا اور ایثار وقربانی کا سبق ملتا ہے اور قوموں کی تاریخ شاہد ہے کہ نظم وضبط، سمع وطاعت اور ایثار وقربانی کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، یہی عیدالاضحیٰ کا پیغام ہے اور یہی اس سے ملنے والا سبق ہے۔

اصلاحی مضامین

اللہ کے بندوں کے کام آئیں!

از: مولانا ندیم احمد انصاری*

زمانہ جوں جوں مادّی ترقی کرتا جا رہا ہے، آپسی محبت و تعاون کا جذبہ سرد پڑتا جا رہا ہے۔ ہر انسان کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہی سوچتا نظر آتا ہے کہ اس میں میرا کیا فایدہ ہے؟ اور اکثر و بیش تر کے نزدیک فائدے سے مراد مختصر دنیوی نفع ہے، جس کام میں انھیں کوئی نفع نظر نہیں آتا، اس میں انھیں کوئی دل چسپی نہیں ہوتی، خواہ اس پر اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کتنے ہی ثواب کے وعدے اور بشارتیں کیوں نہ ہوں۔ بات صرف اتنی نہیں کہ ہم برے وقت میں کسی کے کام نہیں آتے، حد تو یہ ہے کہ اپنے مفاد کے لیے ہم کسی کو تکلیف پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کام آنے کا معاملہ یوں ہے کہ آج کے دور میں کوئی زیادہ نرم دل ہو تو فون اور مسیج پر حال چال پوچھ لیتا ہے اور بس، اب وہ لوگ نایاب ہیں جو کسی کی ضرورت کے وقت اس کے ساتھ کھڑے رہتے تھے۔ ہاں کسی کو مصیبت میں دیکھ کر ویڈیوز بنانے کے لیے کھڑے رہنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک یہی سب سے بڑی خدمت ہے!

اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ قرآن و احادیث میں باہم تعاون یعنی ایک دوسرے کے کام آنے کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے اس کی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔

پُرافسوس! آج ہم مسلمانوں کو اس کی فکر نہیں! ہر آدمی اپنی زندگی میں مست ہے، نہ کسی کو کسی کے دکھ درد میں کام آنے کی فرصت ہے اور نہ اپنی طرف سے نقصان پہنچنے سے بچانے کی پروا۔ اصل تو یہی تھا کہ دوسروں کے کام آتے، ورنہ کم سے کم اُنھیں اپنے شر سے محفوظ ہی رکھتے! اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کے ذہنوں سے اس کی اہمیت و حقیقت محو ہوتی جا رہی ہے۔ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو تو عبادت سمجھتے ہیں، لیکن اللہ و رسول کی رضا کے لیے کسی کی خدمت، مدد اور تعاون اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسنِ

* ڈائرکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

سلوک کو شاید عبادت اور نیکی نہیں سمجھتے، یا ذہنی طور پر اسے نیکی سمجھتے بھی ہیں تو کم از کم عملی طور پر اس کا ثبوت پیش کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔

مسلم شریف میں حدیث موجود ہے؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی اللہ اس کے آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوا ہے۔ (ترمذی، مسلم) کیوں نہ ہو، جب کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وحی نازل ہونے پر اپنے شوہرِ نامدار کی حالت غیر ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن الفاظ میں ہمت بندھوائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن اوصاف کا خصوصیت سے ذکر کیا تھا من جملہ ان کے دوسروں کے کام آنا بھی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا! آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لیے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔ (بخاری) اور باری تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ (الاحزاب)

مسلم شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہؒ سے روایت ہے، انھوں نے منبر پر سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے، اور نہ اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام بھیجے، یہاں تک کہ وہ (خود اسے) چھوڑ دے۔ (مسلم) یہ کوتاہی تو ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہے کہ جس کی انتہا نہیں، غضب یہ ہے کہ اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ ایک شخص معاملہ کر رہا ہوتا ہے، دوسرا شخص خبر ملتے ہی اس سے بہتر آفر (offer) دے کر راتوں رات مال پر قبضہ کر لیتا ہے۔ نیز اس روایت میں گو کہ مومن کا لفظ وارد ہوا ہے، لیکن دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے کام آنے اور اسے اپنے شر سے بچانے کا حکم عام ہے، خواہ مومن ہو یا غیر مومن۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہی ہے کہ امن وآشتی کی فضا عام کی جائے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات) ایک مقام پر فرمایا گیا: اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد (باپ) اور ایک عورت (ماں) سے پیدا کیا ہے۔ (الحجرات) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

الفاظ ہیں: میں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (ابوداؤد) اسی لیے انسانی و ایمانی اخوت ہمیں اس کا پابند کرتی ہے کہ ہم دوسروں کے کام آئیں، کیوں کہ وہ ہمارے اپنے بھائی ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے؛ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے پوچھا: کس قسم کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو بہت زیادہ بیش قیمت ہو اور اس کے مالکوں کو بہت پسند ہو۔ میں نے پوچھا: اگر میں یہ نہ کرسکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کسی ہنرمند کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کے لیے کام کردو! انھوں نے پوچھا: اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو (یعنی ان کے کام نہیں آسکتے تو کم سے کم ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے باز رہو)، اس لیے کہ وہ بھی ایک صدقہ ہے جو تم اپنے آپ پر کرتے ہو۔ (بخاری، مسلم) یہ حدیث اس باب میں نہایت صریح ہے، جو کہ کلّیے کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ نیز اس میں مسلم و غیر مسلم کی بھی کوئی قید نہیں، جیسا کہ النَّاسَ کا لفظ بتا رہا ہے، جس سے اس کی آفاقیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اور جب عام انسانوں کے متعلق یہ ارشاد ہے، تو جو اپنے ہوں اور جن کا کوئی حق ہم سے وابستہ ہو، تو ان کے حق میں یہ حکم مزید تاکیدی ہوگا یعنی استاذ، والدین، رشتے دار، دوست احباب وغیرہ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو! لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن ظالم کی کس طرح مدد کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ لو (یعنی اس کو ظلم سے روک دو)۔ (بخاری) اس حدیث سے بھی ہر حال میں اپنے بھائی کی مدد کرنا لازم آتا ہے، ظالم ہے تو اسے ظلم سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا اور مظلوم ہے تو اسے ظلم سے بچانا ہی ان کی مدد ہے۔ جو حال بھی ہو، ہمیں اپنے بھائی کی مدد کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ رہا یہ امر کہ کن کن معاملوں میں مدد و تعاون پیش کیا جائے اور کن امور میں دامن بچایا جائے، اس کی صراحت خود باری تعالیٰ نے فرما دی، جیسا کہ ارشاد ہے: اور نیکی اور تقوے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (المائدہ)

بہ طور سبق اس حدیث کو ہمیشہ ذہن و عمل میں رکھیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام لوگوں میں وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جو لوگوں کو۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ: پر ۱۶)

نقوشِ رفتگاں

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقیؒ، کچھ سنہری یادیں

مولانا حکیم محمود احمد خاں دریابادی*

ہائے ہر چند دن کے بعد ایک تعزیتی تحریر لکھنی پڑ رہی ہے، آج نبیرہِ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی علیہ الرحمہ پر لکھنا ہے وہ بھی رخصت ہوئے، کیا لکھوں، کیسے لکھوں، جذبات امڈ رہے ہیں، مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے، ذہن سپاٹ ہے، خیالات منتشر، کئی مرتبہ لکھنا شروع کیا، ایک سطر بھی نہیں ہوئی تھی کہ مضامین کی آمد بند ہوگئی، جیسے چلتے چلتے کسی گاڑی کا انجن فیل ہوجائے آج بنام خدا ہمت کر کے لکھنا شروع کررہا ہوں، ممکن ہے قارئین کو میری سابقہ تحریروں اور زیر نظر تحریر میں فرق نظر آئے تو اس کے لئے میں معذرت کا خواستگار ہوں گا، یہ آمد اور آورد کا فرق ہے۔

حضرت مولانا بڑے خاندان اور بڑے باپ کے جانشین تو تھے ہی خود بھی بڑے آدمی تھے، تواضع و انکسار کے پیکر، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، دشمنانِ صحابہؓ کے لئے دُرّہِ فاروقی کی مثال، حق گوئی وحق پرستی جن کا شعار، تحریر لاجواب، تقریر بے مثال، رفض وبدعات کے لئے شمشیر برہنہ! ....نورانی چہرہ، بڑی اور روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی، لکھنو کا نستعلیق انداز، مزاج میں شام اودھ جیسی شگفتگی، ہم نے سیاہ داڑھی میں بھی دیکھا تھا اب سفید ہوگئی تھی۔

یاد پڑتا ہے پہلی روبرو ملاقات ممبئی میں ان کے عم زادے حضرت مولانا عبدالعلی فاروقی کے ساتھ ہوئی تھی، انھوں نے ہی تعارف کرایا تھا، دونوں بزرگوں کے ساتھ دیر تک گفتگو رہی، مختلف موضوعات جیسے مشاجراتِ صحابہؓ، بدعتیوں کی شرارتیں، روافض کی بدمعاشیاں، تحریک مدح صحابہ، فرق باطلہ کے لئے حضرت امامِ اہل سنت کی خدمات، خصوصا لکھنو میں غالی رافضیوں کے درمیان سربکف ہوکر اُن کی جانبازانہ مزاحمت ....شاید اس مجلس میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب و دیگر کچھ علماء بھی تھے، میں اس وقت مولانا یا حضرت نہیں کہلاتا تھا، بالکل نوجوان، لاابالی انداز والا، چہرہ مہرہ لباس وغیرہ بھی بڑی حد تک غیر مولویانہ تھا، تاہم

* رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

بزرگوں کی اس گفتگو کے درمیان حسب عادت دخل دیتا رہتا تھا، کبھی کبھی سوال بھی کر لیتا تھا............... اس پہلی ملاقات کے بعد دوسرے دن پھر ملاقات ہوئی، بڑی شفقت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، اگرچہ بڑی ڈارھی، شیروانی، دوپلی یا گول ٹوپی، لمبا کرتا، اونچا پاجامہ اور دیگر مولویانہ لوازمات آپ کے پاس نہیں ہیں پھر بھی نہ جانے کیوں آپ سے خصوصی لگاؤ محسوس ہونے لگا ہے۔

اس کے بعد بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں ممبئی میں مختلف پروگراموں میں تشریف لاتے، ہم نے بھی انجمن اہل سنت کے کئی جلسوں میں حضرت کو زحمت دی، تقریباً ہر ملاقات میں یہ ضرور فرماتے کہ ''سچ کہتے ہیں ہمارے دل میں آپ کی بڑی قدر ہے، اور محض اللہ کے لئے آپ سے محبت کرتے ہیں'' .... چند سال قبل لکھنو کے ایک خطیب کچھ نامعلوم وجوہات کی بنا پر اپنے اسلاف کی ڈگر سے ہٹ گئے اور روافض کی تقلید میں صحابہ کرامؓ دیگر بزرگان کے خلاف ہذیان بکنے لگے، حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اس کا نوٹس لیا، کیوں نہ لیتے؟ وہ تو خاندانی طور پر ہی جاں نثارانِ صحابہؓ میں سے تھے................، اُنھوں نے حوالوں کے ساتھ اس خطیب کی خبر لی، ایک ویڈیو میں اس گستاخ صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''یاد رکھو تمھارا منہ کالا ہوجائے گا'' واقعی یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ جو طبقہ صحابہ کرامؓ کے خلاف گستاخی کو کارثواب سمجھتا ہے آخر عمر میں ان لوگوں کے چہروں سے نحوست ٹپکنے لگتی ہے۔

اُس موقع پر میں نے بھی کئی تحریریں حضرات صحابہؓ کے دفاع میں لکھیں اور اپنے انداز میں اس خطیب کو آئینہ دکھایا................ حالانکہ میں حضرت کو اپنی کج مج تحریریں نہیں بھیجا کرتا تھا مگر میری ہر تحریر کسی نہ کسی طرح اُن تک پہونچتی اور ہر مرتبہ مجھے براہ راست فون کر کے حوصلہ افزائی فرماتے مبارکباد دیتے، ایک ملاقات کے دوران میری کئی تحریروں کے پورے پورے جملے نقل فرمائے................ اسی دوران ممبئی میں انجمن اہل السنہ والجماعۃ کے ایک بڑے اجلاس میں تشریف لائے تھے، اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد جب مجھے بھی اسٹیج پر بیٹھا دیکھا تو بھرے اجلاس میں ہزاروں کے سامنے گلے لگا کر حوصلہ افزائی فرمائی، .... واقعی بڑوں کی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔

آخری ملاقات لکھنو میں اُن کی قیام گاہ پر مفتی توصیف صاحب کے ساتھ ہوئی تھی، بڑی پذیرائی فرمائی چلتے وقت امام اہل سنت کی کئی کتابیں عنائت فرمائیں، کسے پتہ تھا کہ یہ آخری مصافحہ، آخری معانقہ اور آخری زیارت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

افاداتِ اکابر

خلاصۂ حیات

پیش کش: محترم حافظ ابراھیم صاحب

کسی نے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی سے سوال کیا کہ حضرت! زندگی کا خلاصہ کیا ہے؟ حضرت نے یہ 20 نکات ارشاد فرمائے:

(1) ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔

(2) کوشش کرو کہ پوری زندگی میں کوئی تمہاری شکایت کسی دوسرے انسان سے نہ کرے۔ پروردگار سے تو بہت دور کی بات ہے۔

(3) خاندان والوں کے ساتھ کبھی مقابلہ مت کرنا۔نقصان قبول کر لینا،مگر مقابلہ مت کرنا۔بعد میں نتیجہ خود مل جائے گا۔

(4) کسی بھی جگہ یہ مت کہنا کہ میں عالم ہوں۔ میرے ساتھ رعایت کرنا۔ یہ ایک نامناسب عمل ہے۔کوشش کرو دینے والے بن جاؤ۔

(5) سب سے بہترین دسترخوان گھر کا دسترخوان ہے. جو بھی تمہارے نصیب میں ہوگا بادشاہوں کی طرح کھالو گے۔

(6) اللہ کے سوا کسی سے امید مت رکھنا۔

(7) ہر آنے والے دن میں اپنی محنت میں مزید اضافہ کرنا۔

(8) مالداروں اور متکبروں کی مجالس سے دوری اختیار کرنا مناسب ہے۔

(9) ہر دن صبح کے وقت صدقہ کرنا،شام کے وقت استغفار کا ورد کرنا۔

(10) اپنی گفتگو میں مٹھاس پیدا کرنا۔

(11) اونچی آواز میں چھوٹے بچے سے بھی بات مت کرنا۔

(12) جس جگہ سے تمہیں رزق مل رہا ہے اس جگہ کی دل وجان سے عزت کرنا۔جس قدر ادب کرو گے

ان شاء اللہ رزق میں اضافہ ہوگا۔

(13) کوشش کرو کہ زندگی میں کامیاب لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ ایک نہ ایک دن ضرور تم بھی اس جماعت کا حصہ بن جاؤ گے۔

(14) ہر فیلڈ کے ہنرمند کی عزت کرنا، ان کے ساتھ ادب سے پیش آنا چاہئے، خواہ وہ کسی بھی فیلڈ کا ہو۔

(15) والدین، اساتذہ اور رشتے داروں کے ساتھ جس قدر اخلاق کا معاملہ کروگے اس قدر تمہارے رزق اور زندگی میں برکت ہوگی۔

(16) ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنا۔

(17) عام لوگوں کے ساتھ بھی تعلق رکھنا اس سے بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔

(18) ایک انسان کی شکایت دوسرے سے مت کرنا، ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکایت کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

(19) ہر بات کو مثبت انداز میں پیش کرنا، اس سے بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے۔

(20) بڑوں کی مجلس میں زبان خاموش رکھنا۔

آخر میں درج ذیل دعا سکھائی کہ مشکل وقت میں اہتمام کے ساتھ پڑھا کرو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا

(بقیہ صفحہ ۳۲ سے)

صاحبزادگان، پسماندگان و متوسلین کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے یہ سوچ رہا ہوں کہ میری ساری تحریریں حضرت کی نظر سے گزرتی تھیں، تحسینی کلمات بھی سننے کو ملتے تھے، مگر صد ہزار افسوس کہ میری آج کی تحریر ان کی نگاہ التفات سے محروم رہے گی اور میرے کان بھی حضرت کے شفیق لہجے کی شاباشی کو نہیں سن پائیں گے سچ پوچھئے تو یہ میرا ایک بڑا نقصان ہے دعا کرتا ہوں کہ............

ہو نہ میلا کبھی کفن تیرا
صورت گل رہے بدن تیرا
رحمتوں کا نزول ہو تجھ پر
خوش خدا اور رسول ہو تجھ پر

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا

سوال: کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے؟

جواب: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے۔ (کتاب المسائل، ۲/ ۳۲۹)

مسبوق بھی تکبیر تشریق پڑھے

سوال: کیا مسبوق کو بھی اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: ہاں! مسبوق بھی اپنی نماز مکمل کرنے کے بعد تکبیر تشریق پڑھے۔ (کتاب المسائل، ۲/ ۳۳۵)

تکبیر تشریق پڑھنے سے پہلے بات کرنا، اور وضو کا توڑ دینا

سوال: کیا تکبیر تشریق پڑھنے سے پہلے بات چیت میں مصروف ہونے اور اسی طرح وضو توڑ دینے کی وجہ سے اس کا وجوب ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے؟

جواب: ہاں! اگر تکبیر تشریق سے پہلے ہی بات چیت کرلی یا جان بوجھ کر وضو توڑ دیا تو بھی اس ذمہ سے اس کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ (کتاب المسائل، ۲/ ۳۳۵)

ایک بسم اللہ سے کئی جانور ذبح کرنا

سوال: کیا ایک بسم اللہ سے کئی جانور ذبح کئے جاسکتے ہیں؟

جواب: اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: ۱۔ اگر جانور کو ایک کے اوپر ایک لٹایا اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ہی حرکت سے دونوں کو ذبح کردے تو دونوں حلال ہوجائیں گے۔ ۲۔ الگ الگ جگہوں پر جانوروں کو لٹایا یا پے در پے لٹایا جارہا ہے، تو ایک بسم اللہ سب کے لیے کافی نہیں ہوگا؛ بلکہ ہر جانور کے لئے الگ الگ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ (کتاب المسائل، ۲/ ۳۲۴)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ذبح کے وقت اردو میں نام لینا

سوال: اگر ذبح کے وقت اردو میں اللہ کا نام لیا تو اس سے جانور حلال ہو جائے گا؟

جواب: اگر ذبح کے وقت اردو میں اللہ کا نام لیا مثلاً "خدا کے نام سے ذبح کرتا ہوں" تو بھی ذبیحہ حلال ہو جائے گا، عربی کا کلمہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ (کتاب المسائل، ۲/ ۳۲۳)

بغیر دانت والے ایک سالہ بکرے کی قربانی

سوال: بکرا ایک سال کا ہو گیا لیکن اس کے دانت ابھی نہیں نکلے تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہے؟

جواب: اگر واقعتاً بکرا ایک سال کا ہے، تو اس کی قربانی شرعاً درست ہے، دانت پر قربانی کی صحت کا مدار نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۳۷۲)

کان کٹے جانور کی قربانی

سوال: اگر جانور کا کان کٹا ہوا ہو تو کیا اس کی قربانی درست ہے؟

جواب: اگر جانور کا کان ایک تہائی یا اس سے کم کٹا ہوا ہو تو اس قربانی جائز ہے، اگر تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۴۲۸)

صاحب نصاب کا قربانی نہ کرنا

سوال: اگر کوئی صاحب نصاب ہو اور وہ قربانی ادا نہ کر سکے تو اس کے ذمہ کیا واجب ہے؟ جواب: اگر کوئی صاحب نصاب اور ایام قربانی میں قربانی نہ کر سکے تو اس پر سال بھر کی ایک بکری یا بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۲۸۶)

قربانی کے وقت نام لینا

سوال: کیا قربانی کی دعا پڑھتے وقت قربانی کرانے والوں کا نام لینا ضروری ہے؟

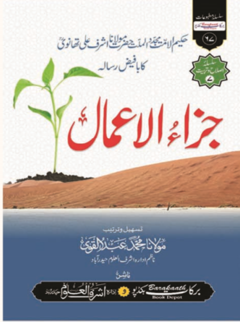
جواب: جس کی طرف سے قربانی ہوتی ہے، اس کا نام لینا ضروری نہیں ہے، صرف نیت کافی ہے۔

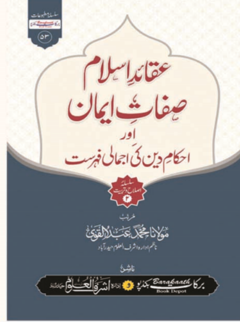
(فتاویٰ قاسمیہ، ۲۲/ ۲۴۳)

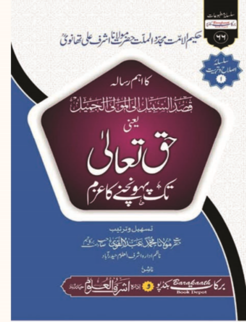
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25

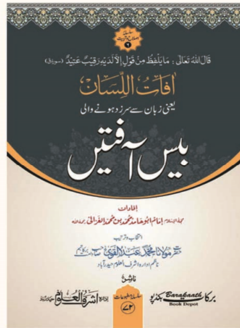
Date of Publication 3rd Jun-24, date of Posting 5th Jun-24

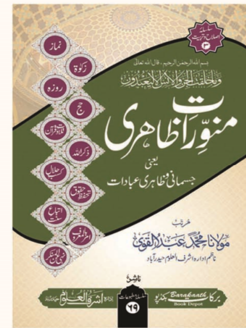


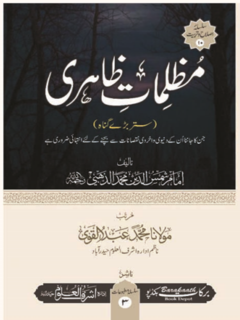


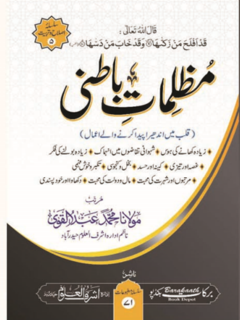


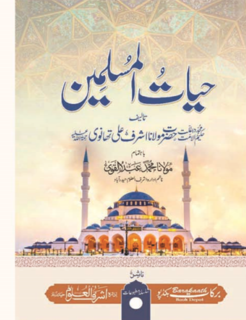












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59